© rasailojaraid.com

بلغاریہ کے مسلمان

مفتی جنید انور

بلغاریہ کا رقبہ ۴۳ ہزار مربع میل (ایک لاکھ دس ہزار پانچ سو انچاس 1,10,549 مربع کلومیٹر ہے) صوفیہ دارالحکومت ہے، اس کی سرحدیں سربیا، رومانیہ، مقدونیہ اور ترکی سے ملتی ہیں۔ اہم شہروں میں پلوویڈا، وارنا، برگس اور Ruse شامل ہیں۔ %85 بلغاری زبان بولی جاتی ہے ترک زبان %10 اور روما زبان %4 بولی جاتی ہے، یہاں کی کل آبادی 73,85,367 ہے جس میں %12.2 مسلمان ہیں، شرح خواندگی 99 فیصد ہے۔ طرزِ حکمرانی پارلیمانی جمہوریت ہے۔ بلغاریہ پر اسلامی ترکوں نے 1396ء میں قبضہ کیا تھا جو 400 سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہا۔ 1878ء میں معاہدۂ برلن کے تحت بلغاریہ کی خودمختار ریاست قائم ہوئی۔ جس پر سلطنتِ عثمانیہ کو بالادستی حاصل تھی۔ 1908 میں بلغاریہ مکمل طور پر آزاد ہوگیا اور بلغاروی حکمران نے زار کا لقب اختیار کیا۔ بلغاریہ کا جنوبی حصہ جسے مشرقی رومیلی کا نام دیا گیا، وہ اس وقت تک سلطنتِ عثمانیہ کا صوبہ تھا۔ 1913 کی جنگِ بلقان کے بعد مشرقی رومیلی بھی ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے اختتام کے بعد 1946 میں بلغاویہ میں بادشاہت ختم کردی گئی اور ریاست کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ پھر اسی سال بلغاریہ پیپلز ری پبلک بن گیا اور اس پر کمیونسٹوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔

1908ء میں جب بلغاریہ آزاد ہوا تو وہاں مسلمان اکثریت تھی اس وقت مسلمانوں کی تعداد تقریباً %40 سے زائد تھی۔ مگر جب ان پر سختیاں ہونے لگیں تو وہ ترکی ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد کم ہوگئی۔ دوسری اہم قوم یونانیوں کی تھی وہ بھی بلغاریہ سے نکل کر یونان چلے گئے، بلغاروی باشندوں کی ایک بڑی تعداد جو ملک سے باہر یعنی ترکی اور یونان میں تھی وہ بلغاریہ واپس آگئی۔ چنانچہ صرف 1918ء میں دو لاکھ ساٹھ ہزار بلغاروی مقدونیہ اور طراقیا سے بلغاریہ آئے۔ اس بناء پر 1939ء میں مسلمانوں کا تناسب تیرہ فیصد رہ گیا۔ چھیاسٹھ لاکھ کی کل آبادی میں ۸ لاکھ ۵۸ ہزار مسلمان تھے۔ 1951ء میں مزید ایک لاکھ ساٹھ ہزار مسلمان ترکی چلے گئے۔ یہ رجحان دیکھتے ہوئے کمیونسٹ حکومت نے ہجرت کی پالیسی بدل ڈالی اور کچھ مدت یہاں رہنے والوں کے رشتہ داروں کو بلغاریہ واپس آنے کی اجازت دے دی جس کے نتیجے کے طور پر 3 لاکھ 40 ہزار مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واپس بلغاریہ آ گئے۔

حالات کے تغیر اور کمیونسٹ حکومت کی پالیسی میں مسلسل تغیر کے باعث یہاں کے مسلمانوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ مسلمانوں کی تعداد میں رونما ہونے والے نشیب و فراز کچھ یوں تھے:

1939 میں مسلمانوں کی تعداد ۸ لاکھ ۵۸ ہزار تھی۔ 1951 میں مسلمانوں کی تعداد گھٹ کر ۶ لاکھ ۹۸ ہزار رہ گئی۔

1971ء میں ساڑھے چودہ لاکھ مسلمان آباد تھے، 1976 میں یہ تعداد دوبارہ ساڑھے بارہ لاکھ ہو گئی۔ اس سے اگلے دو سال میں تعداد مزید کم ہو کر 8 لاکھ رہ گئی۔ اس کے بعد کے عرصے سے آہستہ آہستہ اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مابق 2001ء میں ہونے والی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی حقیقی تعداد 9,66,978 تھی جو پورے بلغاریہ کی مجموعی تعداد کا %12.2 ہے۔ ان مسلمانوں میں سے 7,13,000 ترک، 1,31,000 بلغاروی، 1,03,000 روما اور 20,000 دیگر مسلمان شامل ہیں۔

مسلمانوں کے تمام نسلی گروہوں میں سے اکثر بلغاریہ کے شمالی مشرقی حصے میں رہائش پذیر ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر مسلمان سنی ہیں۔ اس لئے کہ پرانے زمانے میں یہاں عثمانی سلطنت کے تحت سنیت کی ترویج و اشاعت کی گئی تھی۔ مسلمانوں کی اس تعداد میں شیعہ حضرات بھی شامل ہیں جو عالیان، قزلباشی اور بہشتی طبقوں پر مشتمل ہیں۔ تقریباً 80,000 اہل تشیع ریز گرڈ، سلائیون اور توتارکان میں رہتے ہیں۔

اسلامی امور کی انجام دہی کے لئے ملک کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ہر حصے میں ایک مجلس اعلیٰ ہے۔ مسلمانوں کے دینی امور کی نگرانی کے لئے مفتی اعظم کے تحت ایک مرکزی بورڈ ہے جس کے تحت 9 علاقائی بورڈ ہیں۔ ہر بورڈ ایک مفتی کے تحت ہے جنہیں پانچ سال کی مدت کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ 1987ء میں یہاں مسجدوں کی تعداد 1,263 تھی۔ یہاں کی مرکزی اور بڑی مساجد میں سے زیادہ مشہور ٹمبل مسجد ہے جو شومن کے علاقے میں واقع ہے اسے 1744ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس عرصے کے بعد بہت سی نئی مساجد تعمیر کی گئی ہیں مگر تعمیر کی شرح انتہائی سست رہی ہے۔ مختلف علاقوں اور گاؤں میں وہاں کے مقامی مسلمان قرآن اسٹڈی کورس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اپنی مصروفیات اور دیگر سماجی خبروں کے لئے مسلمان طبقہ اپنا ایک اخبار جاری کرتا ہے جس کا نام "Miusiulmani" ہے۔ یہ بلغاروی اور ترک دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

بیشتر اشتراکی ملکوں کی طرح بلغاریہ میں مذہبی سرگرمیوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد ہیں۔ مذہب کی باقاعدہ تعلیم کی اجازت نہیں۔ مذہب کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اور مسلمانوں پر خصوصاً پومک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں پر تبدیلیٔ مذہب کے لئے مسلسل دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ گزشتہ دو عشروں سے جاری ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ بلغاروی نام رکھیں، وہ ایسا نہیں کریں گے تو نہ ان کو ملازمت دی جائے گی اور نہ ہی اسکولوں میں داخلہ ملے گا۔

بلغاریہ میں مسلمانوں کو اور کم از کم نوجوانوں کو روایتی نام تک اختیار کرنے سے روک دیا گیا ہے، عملی طور پر یہ اقدام بلغاریہ کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی طرف ایک قدم ہے، خاص طور پر پومک مسلمانوں کو۔ یہ پابندی تمام بیرونی ناموں پر نہیں ہے۔ بائبل میں جو نام آئے ہیں ان کو بلغاروی قرار دیا گیا ہے، لیکن ایسے نام جن میں ذرہ برابر بھی اسلامی اثر ہو، خواہ بائبل میں ہی کیوں نہ آئے ان کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کوئی شخص اسماعیل نام نہیں رکھ سکتا، حالانکہ یہ نام بائبل میں موجود ہے۔ اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ یہاں کی مجموعی آبادی کا 82.6% طبقہ اپنے آپ کو بلغاروی آرتھوڈوکس چرچ کا ممبر مانتا ہے۔ ان کے علاوہ 12.2%، پروٹسٹنٹ 0.7% رومن کیتھولک 0.5% اور دیگر میں 4.1% مختلف مذاہب کے پیروکار شامل ہیں۔

کمیونسٹ حکومت ہونے کے باوجود بلغاریہ میں مسیحی راہبوں کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ بلغاریہ میں مذہب کے خلاف جنگ نہیں۔ بلکہ اسلام کے خلاف جنگ جاری ہے۔ یورپ کے مشرقی بلاک کے ممالک بشمول بلغاریہ میں جس کلچرل پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے اس نے نوجوان نسل میں اسلامی تشخص کو ختم کر دیا ہے، وہ اس بات پر خوش ہیں کہ ان کو نئے نظام کے آگے برضا و رغبت ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اس کے باوجود بلغاریہ میں قومی امتیازات کی مثالیں ملتی ہیں۔

ایسے تمام مدرسے بھی بند کر دیئے گئے ہیں جنہوں نے تھوڑا سا بھی قومی اور مذہبی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی طریقۂ تدفین پر پابندی ہے۔ جب کوئی امام انتقال کر جاتا ہے تو اس کی مسجد میں قفل ڈال دیا جاتا ہے۔ جو لوگ حکومتی احکامات کی تعمیل نہ کریں انہیں یا تو جیل کی سیر کروادی جاتی ہے یا پھر قتل کروا دیا جاتا ہے۔

بلغاروی اکیڈمی آف سائنسز کی تحقیق کے مطابق بلغاریہ میں صرف ساڑھے 35 فیصد لوگ مذہب پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ان میں سے عیسائیوں کی تعداد 27 فیصد ہے، جب کہ مسلمانوں کی تعداد ساڑھے 6 فیصد ہے۔

1989ء میں (Zhivkav regime) کے خاتمے کے بعد بلغاروی مسلمانوں کو تھوڑی بہت آزادی ملی تو ہے مگر مجموعی طور پر اس کا اثر اتنا دیکھنے میں نہیں آیا، جتنا ہونا چاہیئے تھا۔ قومی اور نسلی امتیازات کے واقعات اکثر اب بھی پیش آتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کا نشانہ متاثرین یا کوئی اور نہیں، تو مسلمان ہوتے ہیں۔

☆......☆

© rasailojaraid.com